ڈاکٹر سیّد رضوان علی ندوی
(حیات اور علمی خدمات کے چند گوشے)

محمد راشد شیخ *

کسی دانا کا قول ہے کہ ایک زندہ معاشرے کی پہچان نہ تو طویل و عریض عمارتیں ہوتی ہیں، نہ گاڑیوں کا ہجوم، نہ بڑے بڑے کاروباری علاقے اور شاپنگ سنٹرز بلکہ زندہ معاشرے کی اصل پہچان وہاں کے اصحاب علم وفضل اور وہاں کے تعلیمی ادارے ہوتے ہیں۔ اس کسوٹی پر اگر ہمارے معاشرے کو اور خصوصاً دو کروڑ سے زائد آبادی والے شہر کراچی کو پرکھا جائے تو خاصی مایوس کن صورت حال نظر آئے گی۔ صورت حال یہ ہے کہ اس شہر میں بڑی بڑی عمارتیں بھی ہیں، ان گنت گاڑیاں بھی، میلوں تک پھیلے ہوئے شاپنگ سینٹر بھی (جن میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے) بڑے بڑے صنعتی ادارے بھی، وسیع عریض سڑکیں بھی، لیکن اگر کسی چیز کا قحط ہے تو سچے اہل علم وفضل کا۔ جب اس شہر کی آبادی محض چند لاکھ تھی تو یہاں ہر شعبے کے ماہرین موجود تھے اور یہ کہا جاتا تھا کہ پورا ہندوستان اجڑا تو کراچی بسا ہے یعنی پورے ہندوستان سے ہر شعبے اور ہر فن کے ماہرین کراچی پہنچے تھے اور اب جب کہ آبادی کروڑوں میں ہے تو کسی خاص شعبے کے ماہر تلاش کے باوجود اتنے بھی نہیں ملتے کہ ایک ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کیے جا سکیں۔ اب تو یہ حال ہے کہ اگر بچے کھچے اہل علم میں سے کوئی راہی ملک عدم ہو جائے تو ہمارے اخبارات و رسائل اور خصوصاً میڈیا سے وابستہ افراد کو یہ تک علم نہیں ہوتا کہ ہمارے معاشرے کا کتنا بڑا نقصان ہو گیا اور کیا مستقبل میں اس نقصان کی تلافی ممکن ہے یا نہیں؟ ایسے موقع پر اس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے میڈیا اور ہمارے اخبارات و رسائل سے وابستہ افراد کے ذہنوں پر (الا ماشاء اللہ) ناچنے گانے والے اور سیاستدان چھائے ہوئے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو پھر دیکھیے کہ کتنے دنوں بلکہ ہفتوں اس کا غم کیا جاتا ہے۔ جہاں تک عربی فارسی زبانوں کا تعلق ہے کراچی فارسی زبان کے کسی نامور عالم یا عالمہ سے تو عرصے سے خالی ہو چکا تھا ،سال رواں کے دوران عربی زبان و ادب اور تاریخ اسلام کے حوالے سے دو بڑی شخصیات سے بھی خالی ہو گیا۔ اور یہ وہ شخصیات تھیں جن کا دور دور تک کوئی نعم البدل نظر نہیں آتا۔ پہلے مورخہ ۴؍جنوری ۲۱۰٦ء کو عربی زبان و ادب کی معروف عالمہ اور سابق صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی پروفیسر ڈاکٹر عطیہ خلیل عرب وفات پا گئیں اور اب عین چاند

* مالیر ہالٹ، کراچی، پاکستان۔

رات کو ڈاکٹر رضوان علی ندوی راہی ء ملک عدم ہوئے ۔ان اساطین عربی زبان کا نعم البدل دور دور تک نظر نہیں آتا ۔افسوس اس بات کا بھی ہے کہ ہمارے میڈیا اور اخبارات و رسائل نے ایسے عالم اور محقق کے انتقال کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔جیسا کہ ذکر کیا گیا ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کا انتقال چاند رات کو کراچی کے معروف اسپتال میں ہوا اور تدفین عین عیدالفطر کے روز (مورخہ ٦ جولائی ۲۰۱۶ء) بعد نماز عشاء ڈیفنس سوسائٹی کے قبرستان میں ہوئی۔

ڈاکٹر رضوان علی ندوی ۱۹۲۸ء میں رام پور (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں حفظ قرآن کی تکمیل کی اور ۱۹۴۸ء میں منشی فاضل اور ۱۹۴۶ء میں کامل فارسی کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔اس کے بعد آپ مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کے قائم کردہ 'ادارہ تعلیمات اسلام لکھنؤ میں داخل ہوئے اور ۱۹۴۸ء میں یہاں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۹ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ''عالمیت'' کی سند حاصل کی۔ادارۂ تعلیمات اسلام اور اس کے بانی مولانا عبدالسلام قدوائی ہی وہ شخصیت تھی جن کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کا عربی زبان سے تعلق کا آغاز ہوا تھا۔اس کی کچھ تفصیل ڈاکٹر صاحب نے مولانا کی کتاب 'ہماری بادشاہی' کے نظر ثانی و اضافہ شدہ ایڈیشن میں تحریر فرمائی تھی۔ یہ نظر ثانی و اضافات ڈاکٹر صاحب ہی نے کیے تھے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''مصنف مرحوم سے اس ناچیز کا مختصر مگر ایک خاص نوعیت کا تعلق رہا ہے۔مولانا نوراللہ مرقدہ نے تقسیم ہند سے کچھ قبل اس صدی کی چوتھی دہائی میں مخصوص حالات میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے علیحدگی کے بعد لکھنؤ میں اپنے بعض دوستوں کے ساتھ ایک '' ادارۂ تعلیمات اسلام'' قائم کیا تھا جہاں ہفتہ وار درس قرآن و درس حدیث کے ساتھ ساتھ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل نوجوانوں کو عربی کی تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا تھا اور اس کے لیے قرآن کے ذریعہ عربی سکھانے کا ایک خاص نصاب تیار کیا تھا: عربی کے دس سبق اور اس کے بعد قرآن کی پہلی، دوسری اور تیسری کتاب ۔ یہ ۱۹۴۸ء کی بات ہے کہ راقم الحروف کی زندگی میں تبلیغی تحریک کے ذریعہ ایک انقلاب آیا اور حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہ سے تعلق پیدا ہوا۔اس انقلاب کا سبب انھی کی ایک تقریر تھی ۔میں اس زمانہ میں ایک سرکاری ہائی اسکول کی ایک سالہ عارضی ملازمت سے فارغ ہوا تھا۔مولانا موصوف اور اس دینی تحریک سے تعلق کے بعد مجھے اس کا داعیہ پیدا ہوا کہ میں قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے کے لیے عربی زبان سیکھوں۔مولانا مدظلہ کے مشورے سے میں اس غرض کی تکمیل کے لیے مرحوم عبدالسلام قدوائی ندوی کے اس کورس میں شریک ہونے کے لیے رام پور سے لکھنؤ گیا جو انھوں نے ادارۂ تعلیمات اسلام میں عربی سکھانے کے لیے شروع کیا تھا۔اس

کورس میں جو تین ماہ کا تھا میرے ساتھ دو اور کالجوں کے فارغ التحصیل طلبہ تھے جو یوپی کے دوسرے شہروں سے آئے تھے..........اب میں جب اپنی سابقہ زندگی کی کارکردگی اور علمی خدمات کا شمار کرتا ہوں تو مجھے مرحوم مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی بہت یاد آتے ہیں کہ میری عربی تعلیم کی خشت اول انھی نے رکھی تھی۔ یہی نہیں انھوں نے ہی مجھے تحریر کی طرف مائل کیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مرحوم نے اسی زمانے (ستمبر ۱۹۴۸ء) میں ادارۂ تعلیمات اسلام سے شائع ہونے والے اپنے پندرہ روزہ مجلّہ تعمیر حیات میں مجھ سے ایک مضمون لکھوایا تھا جو سیرت نبوی ﷺ پر تھا۔ اس طرح میری تحریری و تصنیفی زندگی بھی مولانا مرحوم کی مرہونِ منت ہے۔''(۱)

ادارۂ تعلیمات اسلام میں اس سہ ماہی کورس کی کامیابی سے تکمیل کے بعد ڈاکٹر صاحب کا داخلہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عالمیت کے درجے میں ہوگیا جہاں صرف ایک سال تعلیم کے بعد ڈاکٹر صاحب کو عالمیت کی سند مل گئی۔ ندہ میں قیام کے دوران آپ نے جن جن اساتذہ سے علمی فیض حاصل کیا ان میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کے علاوہ مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی، مولانا شاہ محمد حلیم عطا سلونوی، مولانا عبدالحفیظ بلیاوی اور مولانا محمد اسباط فقیہ شامل ہیں۔ ندوہ میں قیام کے دوران ہی آپ کا تعلق مفکر اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی سے بہت مضبوط ہوگیا اور وہ مولانا کے قریب ترین شاگردوں میں شامل ہو گئے۔ اس بارے میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون ''مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی۔ ایک عہد ساز شخصیت'' میں لکھا:

''مولانا سے میرا تعلق ۲۰ سال کی عمر میں ۱۹۴۷ء میں قائم ہوا تھا اور مرحوم کی وفات تک یعنی ۵۳ سال یہ تعلق قائم رہا۔ شروع کے چند برسوں میں یہ تعلق قربت جسمانی کے ساتھ جلوت و خلوت میں لکھنؤ، رائے بریلی، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، دمشق میں قائم رہا اور برابر مراسلت بھی رہی۔ پھر جب ۱۹۶۱ء میں انگلینڈ کے زمانۂ قیام میں میں نے پاکستانی نیشنلٹی اختیار کرلی تو زیادہ تر یہ تعلق مراسلاتی رہا لیکن پھر بھی مکہ مکرمہ اور ریاض کی یونیورسٹیوں میں میری ملازمت کے دوران مولانا سعودی عرب تشریف لائے تو میری دعوت قبول کی اور میرے مکان پر کھانا تناول فرما کر میری عزت افزائی کی۔ یادوں کا ایک قیمتی خزانہ ہے جو میرے ذہن میں محفوظ ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ان کو عنقریب قیدِ تحریر میں لاؤں گا۔''(۲)

لیکن ہماری معلومات کی حد تک مولانا کے انتقال کے بعد ڈاکٹر صاحب نامعلوم وجوہات کی بنا پر ان قیمتی یادوں کو ضبط تحریر میں نہ لا سکے اور نہ ہی مولانا کے ان کے نام خطوط کی اشاعت کا انتظام کر سکے۔ مولانا کے اصل خطوط تو ڈاکٹر

صاحب کے پاس محفوظ تھے لیکن ان کی نقلیں ندوہ یا رائے بریلی میں محفوظ تھیں۔ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے بعد ان کی یاد میں پندرہ روزہ تعمیر حیات میں ایک مضمون بہ عنوان ''آہ مولانا ڈاکٹر سیّد رضوان علی ندوی'' شایع ہوا (۳) جس میں ان خطوط کے چند اقتباسات بھی شامل اشاعت ہیں۔ان میں سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

''پہلے تو مجھے آپ کے سفر فرنگ کے بارے میں تردد تھا لیکن آپ کا عزم دیکھ کر تردد جاتا رہا۔اپنے عزیزوں اور دوستوں میں ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہے جو ان مستشرقین اور ان کے متطفلین سے آنکھیں ملا سکیں اور بحث وتحقیق کی بزم کے شہ نشین میں جگہ پاسکیں۔اب آپ دل جمعی کے ساتھ اس کی تکمیل کر ہی لیں۔مصارف کا معلوم نہیں آپ نے کیا انتظام کیا ہے،اس سے بھی مطلع کیجیے کہ اگر کوئی حقیر رقم بھیجی جائے تو اس کے لیے کیا ذریعہ اور طریقہ ہوسکتا ہے۔'' (مکتوب مورخہ ۱۵ر ستمبر ۱۹۶۰ء)

''مسرت نامہ ۱۳ر رمضان وقت پر مل گیا۔آپ کے خط کے آنے سے پہلے کئی بار خیال آیا کہ عرصہ سے آپ کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا،معلوم نہیں کہ آپ ریاض میں ہیں یا کہیں اور کہ اچانک آپ کا خط آیا اور معلوم ہوا کہ آپ مکہ مکرمہ آ گئے ہیں۔الحمد للہ یہ تبدیلی اچھی ہے،اللہ تعالیٰ اس قیام کو آپ کے لیے باعث برکت اور ترقی اور آپ کے تعلق کلیۃ التربیۃ سے طلبہ اور نوجوانوں کو ذہنی اصلاح وتربیت اور اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے تعلق و وابستگی کا ذریعہ بنائے۔'' (مکتوب مورخہ ۲۵ر جنوری ۱۹۶۵ء)

''آپ کے خط سے آپ کی والدہ کے انتقال کا علم ہوا،تعزیت قبول کیجیے۔یہ معلوم کر کے اور افسوس ہوا کہ آپ عرصہ سے ان سے مل نہیں سکے تھے۔اب عمر بھر اس کا قلق رہے گا۔آپ کے استفسارات کا تفصیل سے جواب دینا اس وقت مشکل ہے،ملاقات پر کچھ عرض کیا جا سکتا ہے۔معلوم نہیں آپ نے ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کا پانچواں حصہ پڑھا یا نہیں جو شاہ صاحب سے منسوب ہے۔اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ''انفاس العارفین'' شاہ صاحب کے سفر حجاز اور اشتغال بالحدیث سے پہلے کی تالیف ہے۔مقاصد شریعت اور اسرار حدیث میں میری نظر میں ''حجۃ اللہ'' سب پر فائق ہے۔'' (مکتوب مورخہ ۱۴ر ستمبر ۱۹۸۸ء)

1950ء سے 1955ء تک آپ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کوشش سے اعلیٰ تعلیم کی خاطر مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور مصر میں مقیم رہے اور اسی زمانے میں اخوان المسلمون سے قریبی تعلق قائم ہوا جس کی تفصیلات ڈاکٹر صاحب نے

متعدد تحریروں اور انٹرویوز میں بیان کی ہیں۔ دسمبر 1955ء میں ڈاکٹر صاحب کو مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کوشش سے دمشق یونیورسٹی کلیۃ الشریعہ میں داخلہ ملا جہاں چار سالہ کورس کی تکمیل کے بعد آپ نے M.A کی ڈگری حاصل کی۔ دمشق یونیورسٹی میں ڈاکٹر صاحب کے اساتذہ میں ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، ڈاکٹر معروف الدوالیبی، ڈاکٹر زکی شعبان، ڈاکٹر یوسف العش، ڈاکٹر صالح الاشتر، علامہ مصطفیٰ الزرقاء، علامہ صبحی سالم اور علامہ محمد المبارک شامل تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے اس دور جب وہ حجاز اور مصر میں رہے اور ان کی پہلی کتاب کی اشاعت کی کچھ تفصیلات ہمیں ان کے مضمون ''مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب۔ چند یادیں'' میں ملتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس حوالے سے لکھا تھا:

> ''میں حجاز سے مصر چلا گیا تھا جہاں اگست ۱۹۵۳ء سے فروری ۱۹۵۵ء تک رہا۔ اس طرح آٹھ سال بعد ہندوستان آنے پر لکھنؤ کے تبلیغی مرکز میں ایک شب ان (ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی) سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے مصر سے واپسی پر تحریک اخوان المسلمین سے متعلق ایک مصری کتاب کا ترجمہ اردو میں حضرت مولانا علی میاںؒ کے مشورے سے کیا اور پھر اسی سال حضرت مولانا کی عنایت سے شامی حکومت کے وظیفہ پر کلیۃ الشریعۃ جامعہ دمشق، سیریا چلا گیا۔ میری اردو میں یہ پہلی کتاب دو سال بعد حضرت مولاناؒ کے تفصیلی مقدمہ کے ساتھ ۱۹۵۷ء میں رام پور سے اشاعت پذیر ہوئی اور چالیس سال بعد اس کا دوسرا اور اضافہ شدہ ایڈیشن کراچی سے شائع ہوا اور پھر اسی کتاب کو حضرت مولاناؒ اپنے ادارے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ انڈیا سے شائع کرایا اور شاید یہ آخری کتاب تھی جو حضرت مولانا کے حکم سے شایع ہوئی۔''(۴)

۱۹۶۰ء میں آپ دمشق سے کیمبرج یونیورسٹی پہنچے اور ۱۹۶۳ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے اسلامک اسٹڈیز میں ڈاکٹریٹ (Ph.D) کی ڈگری بڑی کامیابی سے حاصل کی۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ شعبہ تدریس سے وابستہ ہو گئے اور مسلسل ۲۴ سال تک اسلامی تاریخ وتمدن و دیگر اسلامی مضامین کی عربوں کو تدریس کی۔ مجموعی طور پر آپ نے دس سال سعودی عرب (مکہ مکرمہ و ریاض) کی یونیورسٹیوں میں اور چودہ سال تک بن غازی یونیورسٹی (لیبیا) میں بہ حیثیت استاد خدمات انجام دیں۔ ۱۹۸۷ء میں ڈاکٹر صاحب ریاض (سعودی عرب) سے کراچی منتقل ہو گئے۔ ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۳ء کراچی یونیورسٹی کی سیدنا برہان الدین چیئر پر بحیثیت ڈائریکٹر خدمات انجام دیں اور برصغیر میں عربی زبان وادب کی بارہ سو سالہ تاریخ پر ایک ضخیم تحقیقی کتاب لکھی۔ اس کے بعد سے انتقال تک ڈاکٹر صاحب اپنے گھر پر ہی علمی وتحقیقی کام کرتے اور ہر اتوار کو ڈیفنس لائبریری میں درس قرآن بھی دیتے

تھے۔قدیم و جدید معلومات سے بھرپور ان کا درس قرآن بڑا معلومات افزا ہوتا جس کی تیاری کے لیے وہ کئی کتب سے استفادہ کرتے ۔ڈاکٹر صاحب کے انھی دروس قرآن کو راقم نے کیسٹوں سے کاغذ پر منتقل کیا تھا جو ڈاکٹر صاحب کی تصحیح و اضافات کے بعد ''قرآن کی روشنی میں'' شایع ہوئے۔

ڈاکٹر رضوان صاحب کی تصنیفات و تالیفات درج ذیل ہیں:

عربی کتب:

1۔ العز بن عبدالسلام۔ یہ کتاب دارالفکر دمشق سے ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی۔

2۔ فوائد فی مشکل القرآن۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۷ء میں کویت سے اور ترمیم شدہ دوسرا ایڈیشن دارالشروق جدہ سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔

3 استنبول و حضارة الامبرا طورية العثمانية۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۳ء میں بنغازی لیبیا سے اور ترمیم شدہ دوسرا ایڈیشن الدار السعودیۃ جدہ سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔

4۔ السلطان محمد الفاتح۔ یہ کتاب الدار السعودیۃ جدہ سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔

5۔ دول العالم الاسلامی فی العصر العباسی۔ یہ کتاب ایک دوسرے استاد کی شرکت میں جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔

6۔ العلوم و الفنون عند العرب۔ یہ کتاب دارالمریخ ریاض سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔

7۔ اللغة العربية و آدا بها فی شبة القارة الهندية الباكستانية عبرالقرون۔ یہ کتاب سیّدنا برہان الدین چیئر کراچی یونیورسٹی سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی۔

اردو کتب:

1۔ تحریك اخوان المسلمین۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی پہلی کتاب ہے جو دراصل محمد شوقی ذکی کی ایک عربی کتاب الاخوان المسلمون والمجتمع المصری کا اردو ترجمہ ہے۔اس کا پہلا ایڈیشن دارالحسنات رام پور سے ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے ایک طویل مقدمہ لکھا جس میں ۱۹۵۴ء کے بعد اخوان کی تاریخی جدوجہد کو بیان کیا۔اس کتاب کا دوسرا نظر ثانی شدہ اور اضافہ شدہ ایڈیشن ۱۹۹۹ء میں مجلس نشریات اسلام کراچی نے شائع کیا۔

2۔ تحقیقات و تاثرات۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے تاریخی، دینی ،تنقیدی، علمی و تاثراتی مقالات و مضامین کا معلومات افزا مجموعہ ہے جس کا پہلا ایڈیشن ۲۰۰۰ء میں ادارہ علم و فن کراچی سے شائع ہوا۔ یہ کتاب دوسری مرتبہ (بلا اضافہ) الفیصل ناشران کتب اردو بازار لاہور سے ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئی۔

3۔ خانوادۂ نبویؐ اور عہد بنو امیہ۔ حقائق و اوہام۔ یہ کتاب ڈاکٹر صاحب نے اپنے ذاتی ادارے 'العربی۔ ادارۂ تصنیف ونشر کراچی' سے جنوری ۲۰۰۴ء میں شائع کرائی۔ یہ کتاب ڈاکٹر صاحب اور شاہ بلیغ الدین صاحب کے درمیان خانوادۂ نبوی میں کون شامل ہے کون نہیں ؟ کے موضوع پر علمی بحث پر مشتمل ہے۔ اس کے ابتدا میں ڈاکٹر صاحب نے ایک طویل مقدمہ لکھا تھا۔ اس مقدمے کو ڈاکٹر صاحب نے ایک علیحدہ کتابچے کی شکل میں بھی 'العربی۔ ادارۂ تصنیف ونشر کراچی' سے شائع کرایا تھا۔ اس کتابچے کا عنوان انھوں نے 'قدیم و جدید اسلامی فرقے اور ان کے اثرات ہمارے ماضی و حال پر' رکھا تھا۔

4۔ قرآن کی روشنی میں۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے قرآنی خطبات (لکچرز) کا مجموعہ ہے جو مختلف قرآنی موضوعات پر ہر ماہ کے پہلے اتوار کو ڈیفنس لائبریری کراچی میں وہ دیتے تھے۔ ان خطبات کو آڈیو کیسٹس سے کاغذ پر راقم الحروف نے منتقل کیا تھا جن کو ڈاکٹر صاحب نے نظر ثانی و اضافوں کے بعد اس عنوان کے تحت شائع کرایا۔ یہ کتاب مرکز فہم القرآن کراچی کی جانب سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب کی انگریزی کتاب درج ذیل ہے: .Izz-al-Din al Sulami-His Life and Works: یہ ڈاکٹر صاحب کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جو ۱۹۷۸ء میں ادارۂ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے شائع ہوا۔

ان کتب کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے تحقیقی، تنقیدی اور شخصیاتی مضامین بھی بڑی اہمیت کے حامل اور تاریخی معلومات سے مملو ہیں جو مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے۔ اگر ان تمام مضامین کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے تو کم از کم تین کتابیں مرتب کی جا سکتی ہیں۔

ڈاکٹر رضوان صاحب سے راقم کا غائبانہ تعارف تو اس وقت سے تھا جب وہ ریاض میں مقیم تھے لیکن بالمشافہ ملاقاتوں کا آغاز ۱۹۸۷ء میں ان کی کراچی منتقلی کے بعد ہوا۔ اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب اور شاہ بلیغ الدین صاحب کی علمی بحث عنوان ''خانوادۂ نبویؐ میں کون شامل ہے کون نہیں؟'' رسالہ تکبیر میں شائع ہو رہی تھی۔ اس دوران اس سلسلے کی لکھی ڈاکٹر صاحب کی اقساط سے اندازہ ہوا کہ تاریخ اسلام کی امہات الکتب (مطبوعہ اور مخطوطہ) پر جیسی نظر ڈاکٹر صاحب کی ہے اور اس موضوع پر جو استحضار انھیں حاصل ہے، ایسی کوئی اور ہم عصر شخصیت نظر نہیں آتی۔ انھی دنوں ڈاکٹر صاحب سے اولین ملاقات ان کی رہائش گاہ پر ہوئی اس کے بعد سے ڈاکٹر صاحب سے مسلسل تعلقات قائم ہوئے اور گھنٹوں ان کی صحبت سے مستفید ہونے کے مواقع حاصل ہوئے اور ان کے ساتھ اسفار بھی کیے۔ ڈاکٹر صاحب سے یہ تعلقات ان کے انتقال تک جاری رہے۔ الحمد للہ راقم نے ڈاکٹر صاحب کی چاروں اردو کتابوں کی اشاعت کے حوالے سے خدمات انجام دیں جس کا ذکر ڈاکٹر صاحب نے ان کتب کے

دیباچوں میں بھی کیا۔ ڈاکٹر صاحب راقم کو اپنی زندگی کے بعض دلچسپ واقعات بھی سناتے تھے جن میں سے ایک واقعہ اردو زبان کے معروف شاعر جگر مراد آبادی سے متعلق ہے۔ ان کے بقول جب وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں داخل ہوئے تو ان جگر صاحب سے وہیں ملاقات ہوئی ،جگر صاحب نے ان سے کہا کہ آپ عربی پڑھ کر کیا کریں گے آپ کو انگریزی پڑھنی چاہیے اور عربی آپ کو کام نہ آئے گی۔ اس کے چند برس بعد جب ڈاکٹر صاحب مکہ مکرمہ میں مقیم تھے تو جگر صاحب فریضہء حج کی ادائیگی کی خاطر وہاں آئے اور ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی۔ حج کے بعد مکہ مکرمہ میں ایک ادبی نشست جگر صاحب کے اعزاز میں رکھی گئی جس میں عرب شعراء نے بھی شرکت کی۔ اس نشست کے دوران اردو اور عربی میں مہارت کی بنا پر ترجمانی کے فرائض ڈاکٹر صاحب نے انجام دیے۔ جب نشست اختتام پذیر ہوئی تو ڈاکٹر صاحب نے جگر صاحب سے پوچھا کہ اب فرمائیے میری عربی کام آئی یا نہیں؟ جگر صاحب نے مسکرا کر جواب دیا کہ بالکل کام آئی اور میرا مشورہ درست نہیں تھا۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب اپنے استاد محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بھی بہت سے واقعات سناتے تھے جن کی صحبت میں انھوں نے کئی برس گزارے تھے اور جنھوں نے ڈاکٹر صاحب کی اعلی تعلیم و ترقی کے لیے بہت کوششیں کی تھیں۔ ان میں سے ایک یادگار واقعہ ڈاکٹر صاحب نے یہ سنایا تھا کہ جب وہ دمشق میں بحیثیت طالب علم مقیم تھے تو مولانا نے علامہ اقبال پر اپنی عربی کتاب ''روائع اقبال'' کا مسودہ انھیں بغرض اشاعت بھیجا تھا۔ اس اہم کتاب کا اولین ایڈیشن ڈاکٹر صاحب کی کوشش سے دمشق سے شایع ہوا تھا۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد مولانا ڈاکٹر صاحب سے اس قدر خوش ہوئے کہ کتاب کی رائلٹی کی تمام رقم ڈاکٹر صاحب کو بطور انعام دے دی تھی۔ ۱۹۹۷ء مولانا آخری مرتبہ پاکستان آئے تھے اور پانچ روز تک لاہور میں رابطہ ادب اسلامی کے اجلاس میں شرکت کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب اس موقع پر کراچی سے لاہور پہنچے اور اپنے عظیم استاد کی صحبت میں یہ دن گزارے۔ ڈاکٹر صاحب کے پاس مولانا کے تقریباً سو خطوط جو ان کے نام لکھے گئے محفوظ تھے جو راقم کی گزاش پر انھوں نے بغرض مطالعہ دیے تھے۔ افسوس ہے اب تک یہ خطوط غیر مطبوعہ ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ بھی عادت تھی کہ علمی معاملات میں اپنے چھوٹوں کی نہ صرف معاونت کرتے بلکہ حوصلہ افزائی بھی ۔ اگر ان کی کتب کی اشاعت کے وقت کوئی معاونت کرتا تو کتاب میں اس کا ذکر ضرور کرتے ۔ ڈاکٹر صاحب کی کتاب 'تحریک اخوان المسلمون' کے پہلے ایڈیشن کا ان کے پاس کوئی نسخہ محفوظ نہ تھا۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ یہ دوبارہ شائع ہو لیکن بہت کوشش کے باوجود کتاب کا سراغ نہ ملا۔ خوش قسمتی سے ان دنوں راقم اعلیٰ تعلیم کی غرض سے لاہور میں مقیم تھا۔ وہاں ایک کتب خانے سے راقم نے کتاب کا نسخہ ڈھونڈ نکالا اور اس کی فوٹو اسٹیٹ ڈاکٹر

صاحب کو بھیجی۔اس واقعے کا ذکر ڈاکٹر صاحب نے کتاب کے دوسرے نظر ثانی ایڈیشن کے مقدمہ میں بہ ایں الفاظ کیا:

''عرب یونیورسٹیوں میں میری تدریسی ملازمت کا جو سلسلہ ۱۹۶۳ء میں شروع ہوا تھا وہ چوبیس سال یعنی ۱۹۸۷ء تک جاری رہا۔اس دوران میں چودہ سال بنغازی یونیوسٹی لیبیا اور دس سال سعودی عرب کی یونیورسٹیوں میں خدمات انجام دیتا رہا اور آخر کا راستعفا دے کر کراچی واپس آیا اور جب سے مجھے اپنی اردو کی پہلی مطبوعہ کتاب کی تلاش تھی۔اس سلسلہ میں کراچی اور لاہور وغیرہ کی لابریریاں دیکھ ڈالیں،انڈیا بھی گیا اور دہلی ،رام پور ،ندوہ اور لکھنؤ میں تلاش کیا کہیں دستیاب نہ ہوئی۔اب چھ سات ماہ قبل میرے ایک نوجوان علم دوست اور شائق کتب دوست انجینیر راشد شیخ صاحب نے میری فرمائش پر اس کو مکتبہ مرکز جماعت اسلامی منصورہ سے ڈھونڈ نکالا اور اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی مجھے بھجوائی اور اس طرح میں پورے چالیس سال بعد اپنی اس کتاب کو دوبادہ دیکھ سکا۔''(۵)

اسی طرح جب ڈاکٹر صاحب کی کتاب 'تحقیقات و تاثرات' شائع ہوئی تو اس میں عاجز کا ذکر بہ ایں الفاظ کیا:

''آخر میں اپنے عزیز دوست محمد راشد شیخ صاحب کا شکر گزار ہوں جنھوں نے ان مقالات کی کتابی شکل میں شائع کرنے کا مجھ پر برابر تقاضا کیا اور آخر میں میرے ساتھ اس سلسلہ میں بہت تعاون کیا۔''(۶)

راقم الحروف کی اولین کتاب 'تذکرۂ خطاطین' کا پہلا ایڈیشن ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا تھا۔اس کتاب میں راقم نے بیسویں صدی کے عالم اسلام کے بیس نامور خطاطوں کے حالات ،خدمات اور ان کے بہترین فن پارے پیش کیے تھے۔اس کا ایک نسخہ راقم نے ڈاکٹر صاحب کو بھی پیش کیا تھا۔ڈاکٹر صاحب نے کتاب کو بے حد پسند کیا اور انگریزی زبان میں کتاب کا مفصل تعارف تحریر فرمایا تھا جس میں فن خطاطی کی تاریخ اور اس کتاب کی اہمیت کا ذکر کیا تھا۔یہ مفصل مضمون معروف انگریزی روزنامے DAWN Karachi کے سنڈے میگزین میں مورخہ ۶ر جون ۱۹۹۹ء کو نمایاں طور پر شائع ہوا تھا۔اس مفصل مضمون کا ایک مختصر اقتباس درج ذیل ہے:

Rashid Shaikh's book is first of its kind in Urdu both from the subject point of view and the technical one.It is superbly produced alongwith ample colour plates of some masterpieces of Calligraphers

discussed in the book. Indeed, he has enriched the Urdu literature by adding this beauticully printed book to ist treasure.

اسی طرح جب ڈاکٹر صاحب کی نظر ثانی کے بعد کتاب' قرآن مجید کی دوسری کتاب' شائع ہوئی تو اس میں عاجز کا ذکر بہ ایں الفاظ کیا:

''قرآن مجید کی پہلی کتاب کی طرح دوسری کتاب کے لیے قدیم نسخے کی فراہمی ،کمپوزنگ ،تصحیح ،فرہنگ سازی وغیرہ کے فرائض جناب محمد راشد شیخ نے انجام دیے جن کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔''(۷)

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت میں قدیم اور جدید علوم کا جوسنگم تھا اور عربی زبان اور خصوصاً تاریخ اسلام کے مختلف پہلوؤں پر انہیں جو مہارت حاصل تھی اب پاکستان تو کیا برصغیر میں ان جیسی کوئی شخصیت نظر نہیں آتی۔ وہ اپنے مقالات ومضامین میں بڑی کثرت سے تاریخی کتب خصوصاً عربی زبان کی کتب کے حوالے پیش کرتے تھے۔ڈاکٹر صاحب جب کسی نتیجے تک پہنچ جاتے تو اس بات کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ ان کا نقطہء نظر کسی کو پسند آئے گا یا نہیں بلکہ پوری قوت سے اپنا موقف اس طرح پیش کرتے جس کا جواب لکھنا آسان نہ ہوتا۔ڈاکٹر صاحب کے تاریخی مقالات میں کراچی اور لاہور کی تاریخ کے حوالے سے مقالات بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں جن میں انھوں نے معروف باتوں سے اختلاف کیا اور مستند حوالوں سے یہ ثابت کیا تھا کہ ان شہروں کی تاریخ جو بیان کی جاتی ہے اس سے کہیں قدیم ہے۔اسی طرح ڈاکٹر صاحب نے درود تاج کی حقیقت اور حدیث جابر کے حوالے سے جو تحقیقی مقالات لکھے اس پر بعض حلقوں کی جانب سے احتجاج بھی کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا عمر بھر علم اور مطالعے سے گہرا تعلق رہا اور وہ ان افراد میں شامل تھے جن کی غذا ہی مطالعہ ہوتا ہے اور جو غذا کے بغیر رہ سکتے ہیں مطالعے کے بغیر نہیں۔وہ فرماتے تھے کہ اگر ان کے ذہن پر کوئی علمی اشکال طاری ہوجاتے تو ان کے لیے رات کو سونا ممکن نہیں ہوتا تھا اور وہ اپنے کتب خانے میں جا کر مختلف کتابیں اس وقت تک دیکھتے رہتے جب تک وہ اشکال دور نہ ہو جاتا۔ایک موقع پر انھوں نے راقم سے فرمایا تھا کہ جس زمانے میں ان کی شاہ بلیغ الدین سے علمی بحث چل رہی تھی ،اسی دوران ایک رات وہ ساری رات کتابوں کے حوالے اور دیگر معلومات تلاش کرتے رہے اور محویت کا یہ عالم تھا کہ جب صبح ہوگئی تو انھیں اندازہ ہوا کہ وہ ساری رات کام کرتے رہے ہیں۔ڈاکٹر صاحب ایک وسیع وعریض اور نادر کتب خانے کے مالک تھے جس میں دیگر زبانوں کے علاوہ عربی زبان وادب اور تاریخ کی نادر کتب محفوظ ہیں۔

ڈاکٹر رضوان صاحب پاکستان میں اپنی تنقیدی اور تحقیقی تحریروں کی وجہ سے بھی شہرت رکھتے تھے۔ وہ اپنی افتادطبع کی بنا پر کسی بھی کتاب یا مضمون میں لکھے تاریخی اغلاط کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اپنے وسیع اور عمیق علم کی

مدد سے مضمون لکھتے جس میں ایسی تحریر کا رد اور اصلاح کا پہلو غالب ہوتا۔ بعض حضرات کا خیال تھا کہ ڈاکٹر صاحب علم وتحقیق کے جس مرتبے پر فائز ہیں انھیں تنقیدی تحریروں کے بجائے مستقل کتب لکھنی چاہییں ۔ یہ گزارش راقم نے بھی ڈاکٹر صاحب سے کی تھی لیکن وہ اس بات سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ جن معروف شخصیات کی تحریروں کے جواب میں انہوں نے تنقیدی مضامین لکھے ان میں مولانا اعزاز علی، مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا امین احسن اصلاحی، ڈاکٹر اسرار احمد، ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ، جاوید احمد غامدی، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، شان الحق حقی، کوثر نیازی، عبدالقادر حسن، ڈاکٹر رشید جالندھری، ارشاد احمد حقانی و دیگر شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے شخصیات پر لکھے مضامین بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں جن شخصیات پر ڈاکٹر صاحب نے مضامین لکھے ان میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مولانا مودودی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا حسن مثنیٰ ندوی، ماہر القادری، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی و دیگر شامل ہیں۔

جب سے ڈاکٹر صاحب کے انتقال کی خبر سنی ہے علامہ سید سلیمان ندوی کے بارے میں ایک عرب عالم کا ایک جملہ بار بار یاد آتا ہے۔ علامہ کے انتقال کے بعد اس عالم نے کراچی میں منعقدہ تعزیتی تقریب کہا تھا کہ ہمیں ان کے انتقال کا غم نہیں کیونکہ ہر ذی نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، غم اس بات کا ہے کہ ان کے ساتھ ہی وہ علوم وفنون اور وہ علمی خزانے بھی دفن ہو گئے جن کا کوئی نعم البدل نہیں۔ بعینہ یہی بات ہم آج ڈاکٹر رضوان علی ندوی کے بارے میں بھی کہہ سکتے ہیں۔

دعا ہے اللہ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور ان کی کامل مغفرت فرمائے۔ آمین۔

آخر میں ہم ڈاکٹر صاحب کے دو خطوط بنام راقم کے عکس پیش کر رہے ہیں۔ یہ خطوط اس زمانے میں لکھے گئے جب راقم ۱۹۹۷ء تا ۱۹۹۹ء ماسٹرز کورس کی تکمیل کی خاطر لاہور میں مقیم تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْبَیان ۔کراچی

AL-BAYAN

Karachi.

Ref No.__________

Date. __________ 19-5-97

برادرم راشد شیخ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ بہت بہت شکریہ کہ آپ کی طرف سے امام زہری پر میرے مضمون کی فوٹو اسٹیٹ کاپی [illegible] کے بعد مل گئی۔ باقی سب مضامین کمپوز ہو چکے ہیں، اسی کا انتظار تھا۔ کراچی سے آپ اس وقت [illegible] تو شاید جلد مل جاتا۔

آپ نے مجیب الرحمن شامی صاحب سے بالآخر ملاقات کر لی اور میرا پیغام پہنچا دیا اسکا بھی شکریہ، اللہ تعالیٰ کا [illegible] ہے M.Phil کے امتحان میں نمایاں [illegible]

آپ نے مولانا عبد الدائم جلالی صاحب کی تفسیر کے متعلق جو معلومات بہم پہنچائی ہیں [illegible] پر بھی شکر گزار ہوں۔ ناشر یوسف صاحب سے کہیے کہ مجھے خط لکھیں [illegible] مطلوبہ معلومات بہم پہنچا سکوں گا۔ مجھے ترجمہ بخاری کا پتہ نہیں تھا۔ اسکی قیمت سے مطلع کریں تو بہت خوب ہو۔ معاف کیجئے، میں نے فہرست میں قیمت دیکھ لی جو ۹۳۶ روپے ہیں اگر [illegible] ڈسکاؤنٹ مل سکے تو میں خرید لوں۔ دلی سے موصوف نے لکھا کہ مولانا عبد الدائم [illegible] کے فرزند اور [illegible] Cousin دہلی میں حیات ہیں۔ [illegible] کچھ نسخے بھیجیں اور وہ مجھے مفت ایک نسخہ ہدیہ کر دیں۔ یوسف صاحب نے مکتبہ کی مطبوعات بھیجی ہیں، بہرحال اگر وہ فہرست میں [illegible] مذکورہ کتاب صحیفہ علی بن ابی طالب (عربی) مرتبہ ڈاکٹر رفعت فوزی عبد المطلب بھیج دیں تو بہت [illegible] یا میں بعد کو اسکی قیمت ادا کر دوں گا [illegible] 165 [illegible]

[illegible]

۴۳/۱، ۱۰ کمرشل اسٹریٹ، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔فیز ۴۔ کراچی

43/1, 10th COMMERCIAL STREET, DEFENCE HOUSING AUTHORITY, PHASE IV, KARACHI., TEL: 541315

باسمہ تعالیٰ

کراچی
28.11.97

برادرِ گرامی قدر محمد راشد شیخ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج آپ کی طرف سے جو پیکٹ ڈاک سے ملا، اس میں چالیس سال بعد اپنی پہلی تصنیف کی فوٹو اسٹیٹ کاپی پا کر دل باغ باغ ہو گیا۔ دل سے آپ کے لئے دعائیں نکلیں۔ آپ نے کتنا اہم میرا کام کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر دے۔ بحمد اللہ کہ چالیس سال بعد میری کھوئی ہوئی اولین تصنیف آپ کی کوشش سے مجھے مل گئی۔ میں ان شاء اللہ اب اس کا فوری دوسرا ایڈیشن چھپواؤں گا۔

ساتھ ہی آپ نے یہ عنایت کی کہ دوسرے مکتوبات کی فہرست کتاب بھی بھیج دی، اس پر بھی شکریہ قبول فرمائیں۔

کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ مجھے یہ بھی لکھ دیتے کہ ۳۵ صفحات کی کتاب کے فوٹو اسٹیٹ کرانے میں کتنا روپیہ صرف ہوا تو میں اسی کا چیک بھیج دیتا۔ آئندہ خط میں ضرور لکھ دیجئے۔ یہ بھی لکھئے کہ آپ نے کس ذریعہ سے یہ کتاب نکلوائی اور اس کا فوٹو اسٹیٹ کرا دیا۔ اب یہ میرا فرض ہے کہ اس کی قیمت ادا کر دوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے کامیاب کرے اور آپ نئی نسل کے نوجوانوں کے لئے نمونہ پیش کریں کہ اپنی پیشہ ورانہ مشغولیتوں کے ساتھ بھی علمی مشغلہ جاری رکھ سکتے ہیں۔

مولانا نفیس الحسینی صاحب کی خدمت میں میرا سلام۔ والسلام

طالبِ دعا احقر: رضوان علی ندوی

رضوان علی ندوی

حوالہ جات وحواشی

(۱) ملاحظہ فرمائیے کتاب ’ ہماری بادشاہی۔مختصر تاریخ اسلام‘از مولانا عبدالسلام قدوائی ،اشاعت ۱۹۹۸ء ،مجلس نشریات اسلام کراچی ،صفحہ۹ تا۱۱

(۲) ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ تہذیب کراچی بابت فروری ۲۰۰۰،صفحہ نمبر۱۰

(۳) ملاحظہ فرمائیے مضمون’ آہ مولانا ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی‘ از محمود حسن حسنی ندوی، پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ،بابت ۱۰/ستمبر ۲۰۱۶ء،صفحہ ۲۵ تا ۳۰

(۴) ملاحظہ فرمائیے پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ۔خصوصی اشاعت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ،بابت ۱۰جون تا ۱۰ جولائی ۲۰۰۶ء،صفحہ ۳۷

(۵) ملاحظہ فرمائیے کتاب ’ تحریک اخوان المسلمین۔ماضی و حال‘ ترجمہ :ڈاکٹر سیّد رضوان علی ندوی،دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۹ء،مجلس نشریات اسلام کراچی ،صفحہ ۷

(۶) ملاحظہ فرمائیے کتاب ’ تحقیقات وتاثرات‘از: ڈاکٹر سیّد رضوان علی ندوی،،ادارہ علم وفن کراچی ،صفحہ 10

(۷) ملاحظہ فرمائیے کتاب ’ قرآن مجید کی دوسری کتاب‘از مولانا عبدالسلام قدوائی،اشاعت ۲۰۰۳ء ،مجلس نشریات اسلام کراچی ،صفحہ 3ب

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆